تفہیم القرآن میں مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کا منہج تفسیر اور ان کے علمی و سیاسی خدمات کا تحقیقی مطالعہ

A research analysis of moula syed Abu Al A'la Moudodid's method of excegsis in Tafheem ul Quran, and a review of his .scholarly and political services

اسما ءِ نصر *1

شاکر محمود**

ABSTRACT

The uncountable exegetes have struggled their best to explain and exegesis of the Holy Quran in different ways and different methodologies according to the existing prevailing circumstances of their own age, giving so many references. Like that Mulana Sayyed Abu-ul-Aa'la Maududi has performed a very significant, remarkable, valuable and unforgettable task writing classically Tafheem-ul-QURAN in Urdu language. An effort has been made to elaborate and explain has Tafseer Methodology (منہج تفسیر) has Political & Scientific efforts making has work easily under stable for the seeker of knowledge the following article.

---

* پی۔ ایچ۔ ڈی ریسرچ اسکالرز شعبہ علوم اسلامیہ تخصص قرآن و تفسیر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

** پی۔ ایچ۔ ڈی ریسرچ اسکالرز شعبہ علوم اسلامیہ تخصص قرآن و تفسیر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

موضوع تحقیق کا تعارف

قرآن مجید اس دنیا میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں آسمان و زمین اور قیامت تک اس میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات اسکی بدل نہیں بن سکتی۔ انسان کی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی قرآن مجید میں اشتغال اور اس کو حاصل کرنا ہے اور سب سے بڑی شقاوت اور بد نصیبی اس سے اعراض و پہلو تہی ہے اس لئے ہر مسلمان کو اسکی فکر فرض عین اور ضروری ہے کہ قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ اپنے اولاد کو پڑھنے اور پڑھانے کی کوشش کریں اور پھر جس قدر ممکن ہو اسکے معانی اور احکام کو سمجھنے اور پھر اس پر عمل کرنے کیلئے دن بھر فکر میں لگا رہے۔ اللہ تعالی نے سرور دوعالم حضرت محمد مصطفی ﷺ کو قرآن کریم کی شکل میں ایک جامع دستورِ انسانیت کے ساتھ قیامت تک کے لیے جن وانس کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ بنابریں یہ ایک ضروری امر تھا کہ آپ کی لائی ہوئی دستور بھی تا قیامت من وعن محفوظ رہے۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ:[1]

ترجمہ: ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔

کی شکل میں اعلان فرما کر اس کی حفاظت کا خود ہی وعدہ فرمایا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ وعدہ صرف الفاظِ قرآن کی حفاظت کا وعدہ نہیں، بلکہ معانیٔ قرآن کی حفاظت کا وعدہ بھی ہے، اس لیے کہ اگر اس وعدے کے اندر صرف الفاظ شامل کر کے معانیٔ قرآن خارج کی جائیں، تو لازمی طور پر معانیٔ قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل کا امکان ثابت ہو جائے گا اور اس صورت میں الفاظ کی حفاظت بھی بے معنی ثابت ہو کر رہے گی۔ لہذا یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے الفاظ و معانی دونوں کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اس وعدہ حفاظت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے ہر دور میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں قرآن کی لفظی و معنوی حفاظت و اشاعت ہی میں صرف کر دیں۔ ان رجال میں سر فہرست طبقہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے جن میں اگر ایک طرف ہزاروں کی تعداد میں حفاظ کرام نے الفاظِ قرآن کی حفاظت کی، تو دوسری طرف عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ اور ابی بن کعبؓ جیسے جلیل القدر مفسرین قرآن بھی پیدا ہوئے جنہوں نے معانیٔ قرآن کے سلسلے میں وہ سب کچھ اگلے طبقے تک پہنچایا جو انہوں نے حضور ﷺ کے زیر تربیت سیکھا تھا۔

دوسرا طبقہ تابعین کا ہے جو دور صحابہؓ کے عینی شاہد ہونے اور قرب عہد نبوی کی وجہ سے خیر القرون کے زمرے میں شامل تھے اور آنحضرت ﷺ ہی نے ان کی عدالت وامانت اور ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ اس طبقہ میں بھی بہت سی ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں کمال ذوق وشوق کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے وہ سب کچھ سیکھا جو صحابہؓ نے حضور ﷺ سے سیکھا تھا۔ نہ صرف انہوں نے الفاظ قرآن کو، ان کی ادائیگی کی کیفیتوں کو سیکھا بلکہ معانیٔ قرآن کو بھی کمال احتیاط کے ساتھ اپنے دل ودماغ کے اندر محفوظ کر لیا۔ یوں اس دور میں بھی حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، اور حضرت قتادہؒ جیسے بڑے بڑے مفسر قرآن پیدا ہوئے جنہوں نے مسند ارشاد پر بیٹھ کر قرآن کے الفاظ ومعانی کو بلا کم وکاست طالبین تک پہنچادیا اور طالبین نے نہ صرف زبانی طور پر بلکہ تحریری شکل میں بھی ان تمام تفسیری روایات کو من وعن محفوظ کر لیا اور یہی سلسلہ آج تک چلتا رہا جس کے نتیجے میں الحمدللہ نہ صرف الفاظ قرآن بلکہ معانیٔ قرآن بھی تفسیری روایات کی شکل میں آج تک محفوظ ہیں اور امت کے پاس تفسیری روایات کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن پاک کے معانی ومطالب سمجھنے اور سمجھانے کیلئے ہر زمانے میں رجال مقرر فرمائے ہیں جن کے امام محمد رسول ﷺ ہیں۔ محمد ﷺ کے بعد اکابر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ کرامؒ نے درس وتدریس کی ذمہ داری انتہائی صداقت اور ایمانداری کے ساتھ نبھائی۔ ان ہی میں امام کبیر **مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ** کے تفسیری خدمات ہے۔ جو ایک جید اور مشہور عالم دین، مفسر قرآن، ماہر قانون اسلامی اور جماعت اسلامی کے بانی تھے انسانی رویوں اور اخلاقیات سے متعلق وہ عظیم مطالعے کے مالک تھے۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کا تعارف

نام وتعارف

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔ بیسوی صدی کے موثر ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھے۔ ان کی فکر، سوچ اور ان کی تصانیف نے پوری دنیا کی اسلامی تحاریک کے ارتقاء میں گہرا اثر ڈالا اور بیسویں صدی کے مجدد اسلام ثابت ہوئے۔ اسلام کی دنیا بھر میں موجودہ پذیرائی سید ابوالاعلی مودودی اور شیخ حسن البناء (اخوان المسلمون کے بانی) کی فکر کا ہی نتیجہ ہے

جنہوں نے عثمانی خلافت کے اختتام کے بعد نہ صرف اسے زندہ رکھا بلکہ اسے خانقاہوں سے نکال کر عوامی پذیرائی بخشی۔ سید ابوالاعلی مودودی کا پاکستانی سیاست میں بھی بڑا کردار تھا۔

پاکستانی حکومت نے انہیں قادیانی فرقہ کو غیر مسلم قرار دینے پر پھانسی کی سزا بھی سنائی جس پر عالمی دباؤ کے باعث عملدرآمد نہ ہو سکا۔ سید ابوالاعلی مودودی کو ان کی دینی خدمات کی پیش نظر پہلے شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آپ کی لکھی ہوئی قرآن مجید کی تفسیر تفہیم القرآن کے نام سے مشہور ہے اور جدید دور کی نمائندگی کرنے والی اس دور کی بہترین تفسیروں میں شمار ہوتی ہے۔[2]

ابتدائی زندگی

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ 1903ء بمطابق 1321ھ میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤاجداد میں ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودود چشتی گذرے تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے۔ سید مودودی کا خاندان انہی خواجہ مودود چشتی کے نام سے منسوب ہو کر ہی مودودی کہلاتا ہے۔ آپ کا گھرانہ ایک مکمل مذہبی گھرانہ تھا۔ مودودی نے ابتدائی دور کے پورے گیارہ برس اپنے والد کی نگرانی میں رہے اور گھر پر تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں انہیں مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد کی آٹھویں جماعت میں براہِ راست داخل کیا گیا۔ 1914ء میں انہوں نے مولوی کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ اس وقت ان کے والدین اورنگ آباد سے حیدرآباد منتقل ہو گئے جہاں سید مودودی کو مولوی عالم کی جماعت میں داخل کرایا گیا۔ اس زمانے میں دارالعلوم کے صدر مولانا حمید الدین فراہی تھے جو مولانا امین احسن اصلاحی کے بھی استاد تھے۔ تاہم والد کے انتقال کے باعث وہ دارالعلوم میں صرف چھ ماہ ہی تعلیم حاصل کر سکے۔[3]

علمی خدمات

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ایک ہمہ گیر قسم کے کثیر التصانیف مصنف تھے۔ انہوں نے ۵۰ برس کی عمر میں ٹھوس، علمی اور معیاری لٹریچر اس حد تک مرتب کر ڈالا کہ یہ لٹریچر اسلام کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا بن گیا ہے۔ انہوں نے قرآن، حدیث، فقہ، علم تاریخ، سیاست، معاشیات، عمرانیات، ادب اور تعلیم پر اظہار خیال کیا۔[4] ذیل میں ان کی چند کتب کے نام تحریر کیے جاتے ہیں، ان سے مولاناؒ کے علمی مقام و مرتبے کا اندازہ لگایا

جاسکتا ہے:

1. تفہیم القرآن
2. الجہاد فی الاسلام
3. دینیات
4. خطبات
5. تجدید واحیائے دین
6. پردہ
7. حقوق زوجین
8. سود
9. اسلام اور ضبط ولادت
10. تحریک آزادی ہند
11. اسلامی ریاست
12. مسئلہ قومیت
13. مسئلہ ملکیت زمین
14. خلافت وملوکیت
15. سنت کی آئینی حیثیت
16. اسلام اور جدید معاشی نظریات وغیرہ[5]

ان اہم کتب کے علاوہ انہوں نے متعدد کتابچے بھی تحریر کئے۔ مولانا مودودیؒ کے یہ علمی کارنامے ملت اسلامیہ کے لیے بہت قیمتی سرمایہ اور زندگی کے ہر میدان میں مشعل راہ ہیں۔ وہ وقت کے جدید تقاضوں کو سمجھتے تھے اور مذہب کے اصولوں کو جدید حالات میں زندگی کے عملی مسائل پر منطبق کرنے کی بہترین اور خدا داد استعداد رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے آپ کی علمی عظمت وبرتری کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے اور تاقیامت کرتے رہیں گے۔

تفہیم القرآن کا مختصر تعارف

مولانا مودودیؒ کی تفسیر "تفہیم القرآن" چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے تعارف کو درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

عرصۂ تالیف

اسے تالیف کرنے کے کام کا آغاز مولانا مودودیؒ نے ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں کیا اور ۱۷ ذی القعدہ ۱۳۶۸ھ / ۱۱ ستمبر ۱۹۴۹ ء کو مکمل کر لیا۔ تفہیم القرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

" اس کتاب (یعنی تفہیم القرآن) کو میں نے محرم ۱۳۶۱ ھ (فروری ۱۹۴۲ ء) میں شروع کیا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ مدت تک اس کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سورۂ یوسف علیہ السلام کے آخر تک ترجمانی اور تفہیم تیار ہو گئی۔ اس کے بعد پے در پے ایسے اسباب پیش آتے چلے گئے کہ مجھے نہ تو آگے کچھ لکھنے کا موقع مل سکا اور نہ اتنی فرصت ہی میسر آ سکی کہ جتنا کام ہو چکا تھا، اسی کو نظر ثانی کر کے اس قابل بنا سکتا کہ کتابی صورت میں شائع ہو سکے۔ اب اسے حسنِ اتفاق کہیے یا سوءِ اتفاق کہ اکتوبر ۱۹۴۸ میں یکایک مجھے پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور یہاں مجھ کو (نظر ثانی کرنے کے لیے) وہ فرصت بہم پہنچ گئی جو اس کتاب کو پریس میں جانے کے قابل بنانے کے لیے درکار تھی۔۔۔ نیو سنٹرل جیل ملتان، ۱۷ ذی القعدہ ۱۳۶۸ھ (۱۱ ستمبر ۱۹۴۹)۔[6]

تفسیر کے خاتمہ میں لکھتے ہیں: "میں صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ تفہیم القرآن لکھنے کا جو کٹھن کام میں نے محرم ۱۳۶۱ھ (فروری ۱۹۴۲ء) میں شروع کیا تھا وہ ۳۰ سال چار مہینے بعد آج پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا... لاہور ۲۴ / ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ (۷ جون ۱۹۷۲ ء)۔[7]

یہ تفسیر ماہنامہ ترجمان القرآن میں قسطوں کی صورت میں شائع ہوتی رہی۔ بعد میں یہ کتابی صورت میں چھپ گئی۔ اس کی آخری جلد ۱۹۷۲ ء میں طبع ہوئی۔ اس وقت تک تفہیم القرآن پر مختلف طرح کے کام ہو چکے ہیں، مثلاً:

۱۔ مولانا صدر الدین اصلاحی نے تفہیم القرآن کی تلخیص کی ہے۔

۲۔ جناب الطاف گوہر نے اس کے منتخب حصوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

۳۔ چوہدری محمد اکبر آف مراد پور سیالکوٹ نے "The Meaning of the Holy Quran" کے نام سے تفہیم القرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو کئی بار اسلامک پبلیکیشنز لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور عبدالعزیز نے "Towords understanding the Quran" کے نام سے تفہیم القرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو کہ بہت معیاری ہے اور علمی حلقوں میں بہت شہرت حاصل کر چکا ہے۔ یہ ترجمہ U.K سے پانچ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے۔

۵۔ مولانا فضل داؤد نے تفہیم القرآن کا پندرہ پاروں تک پشتو زبان میں ترجمہ کیا۔ باقی پاروں کا ترجمہ مولانا گل رحیم نے کیا۔

۶۔ ڈاکٹر جمیلہ شوکت اور ڈاکٹر خالد علوی مرحوم نے اس کا اشاریہ (انڈکس) تیار کیا جو شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے طبع ہو چکا ہے۔

۷۔ ڈاکٹر قسیم منصور نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایم۔اے اصول الدین کی ڈگری کے حصول کے لیے تفہیم القرآن پر عربی زبان میں مقالہ لکھا۔[8]

تفہیم القرآن تصنیف کرنے کی ضرورت

مولانا مودودیؒ کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' سے قبل جب اردو زبان میں قرآن مجید کے کئی ترجمے اور تفسیریں موجود تھیں تو انہوں نے اسے تصنیف کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس سوال کا جواب انہوں نے درج ذیل الفاظ میں دیا ہے، لکھتے ہیں:[9]

''قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر پر ہماری زبان میں اب تک اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب کسی شخص کا محض برکت و سعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ یا ایک نئی تفسیر شائع کر دینا وقت اور محنت کا کوئی صحیح تصرف نہیں ہے۔ اس راہ میں مزید کوشش اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اس صورت میں جبکہ آدمی کسی ایسی کسر کو پورا کر رہا ہو جو سابق مترجمین و مفسرین کے کام میں رہ گئی ہو، یا طالبین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کرے جو پچھلے تراجم و تفاسیر سے پوری نہ ہوتی ہو۔[10]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''ان صفحات میں ترجمانی و تفہیم قرآن کی جو سعی کی گئی ہے وہ دراصل اسی بنیاد پر ہے۔ میں ایک مدت سے محسوس کر رہا تھا کہ ہمارے عام تعلیمیافتہ لوگوں میں روح قرآن تک پہنچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعا سے روشناس ہونے کی جو طلب پیدا ہو گئی ہے اور روز بروز بڑھ رہی ہے، وہ مترجمین و مفسرین کی قابل قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ احساس بھی اپنے اندر پا رہا تھا کہ اس تشنگی کو بجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ خدمت میں بھی کر سکتا ہوں۔ انہی دونوں احساسات نے مجھے اس کوشش پر مجبور کیا، جس کی ثمرات تفہیم القرآن کی صورت میں ہدیۂ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔ اگر فی الواقع میری یہ حقیر پیش کش لوگوں کے لیے فہم قرآن میں کچھ بھی مددگار ثابت ہوئی تو یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہو گئی۔

تفہیم القرآن تصنیف کرنے کا مقصد

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن کو علماء کرام اور عربی و دینی علوم میں اچھی خاصی مہارت رکھنے والے افراد کے لیے تصنیف نہیں کیا بلکہ اسے تو انہوں نے اوسط درجہ کے ایسے پڑھے لکھے لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تحریر کیا جو نہ تو عربی اچھی طرح سے جانتے ہیں اور نہ ہی بے شمار قرآنی علوم سے استفادہ کر سکتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:[11]

''اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضروریات نہیں ہیں، اور نہ ان لوگوں کی ضروریات ہیں جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لیے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔ میں جن لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں وہ اوسط درجے کے تعلیمیافتہ لوگ ہیں، جو عربی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور علوم قرآن کے وسیع ذخیرے سے استفادہ کرنا جن کے لیے ممکن نہیں ہے۔ ان ہی کی ضروریات کو میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت سے ان تفسیری مباحث کو میں نے سرے سے ہاتھ نہیں لگایا جو علم تفسیر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، مگر اس طبقے کے لیے غیر ضروری ہیں۔ پھر جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے سامنے رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے، اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے۔ نیز دوران مطالعہ میں جہاں جہاں اسے

الجھنیں پیش آسکتی ہیں وہ صاف کر دی جائیں، اور جہاں جہاں کچھ سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہوں ان کا جواب اسے بروقت مل جائے یہ میری کوشش ہے۔

تفہیم القرآن کی تصنیف میں مولانا مودودیؒ کا اسلوب

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن تصنیف کرنے میں جو اسلوب اختیار کیا وہ کئی خصائص کا حامل ہے، جو اسے دیگر معاصر تفسیروں میں منفرد مقام دلاتے ہیں۔ ذیل میں اختصار کے پیش نظر چند ایک کو بیان کیا جاتا ہے۔[12]

۱۔ اسلوب ترتیب

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں جو ترتیب رکھی ہے وہ یوں ہے کہ صفحہ کے بالائی حصہ میں قرآنی آیات ہیں۔ آیات کے نیچے ترجمانی کے انداز میں ان کا مفہوم ہے۔ اس مفہوم کے نیچے قرآنی آیت یا آیات کی تفسیر ہے جسے انہوں نے مفہوم کو بیان کرتے وقت نمبر (۱، ۲، ۳۔۔۔ الخ) کے اعتبار سے کیا ہے۔ بعض بعض مقامات پر تفسیر کے نیچے حاشیے بھی ہیں جنہیں مولاناؒ نے مختصراً بیان کیا ہے۔ ہر سورۃ کے آغاز میں اس کے متعلق ایک تعارفی دیباچہ ہے۔ کہیں کہیں نقشے بھی ہیں، جو تحقیق کے مشاہداتی اسلوب کو استعمال میں لانے کا ثمرہ و نتیجہ ہیں۔

۲۔ ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمانی کا اسلوب

تفہیم القرآن میں سید ابو الأعلی مودودیؒ نے ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمانی کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس خصوصیت میں یہ تفسیر دیگر تمام تفسیروں سے منفرد ہے۔ آزاد ترجمانی کا اسلوب اس تفسیر کی اساس ہے۔ اس کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:

''میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے، اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔ اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو۔

اور کلام الٰہی کا مطلب و مدعا صاف صاف واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جسارت کی جائے، لیکن معاملہ کلام الٰہی کا تھا، اس لیے میں

نے بہت ڈرتے ڈرتے یہ آزادی برتی ہے۔ جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت جتنی آزادی بیان کی گنجائش دیتی ہے، اس سے تجاوز نہ ہونے پائے"۔ [13]

اسلوب ترجمانی کا سبب

ترجمہ کے بجائے آزاد ترجمانی کا اسلوب اختیار کرنے کے سبب کے متعلق مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ : "میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا (جو) طریقہ اختیار کیا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں پابندی لفظ کے ساتھ قرآن کا ترجمہ کرنے کو غلط سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جہاں تک ترجمۂ قرآن کا تعلق ہے، یہ خدمت اس سے پہلے متعدد بزرگ بہترین طریقہ پر انجام دے چکے ہیں اور اس راہ میں اب کسی مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ترجمہ اور اردو میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، مولانا محمود الحسن صاحبؒ، مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اور حافظ فتح محمد جالندھری صاحبؒ کے تراجم ان اغراض کو بخوبی پورا کر دیتے ہیں، جن کے لیے ایک لفظی ترجمہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمہ سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں۔ ان ہی کو میں نے ترجمانی کے ذریعہ سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے"۔ [14]

۳۔ قرآن کی تقریری زبان کو تحریری زبان میں پیش کرنا

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ کے اسلوب کا ایک منفرد پہلو یہ ہے کہ انہوں نے عبارتوں کے اندر ربط کی صفت پیدا کرنے کی خاطر قرآن مجید کی عربی میں تقریری زبان کو آزاد اردو ترجمانی کے ذریعہ سے تحریری زبان میں پیش کیا ہے، چنانچہ اپنے آزاد ترجمانی کے اسلوب کے حق میں دلائل دیتے ہوئے اور لفظی ترجمہ [15] کے غیر مؤثر ہونے کی وجوہاتبیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الف [16]، ب [17]، ج [18]

"۔۔۔ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اگر اس کو منتقل کرتے وقت تقریر کی زبان کو تحریر کی زبان میں تبدیل نہ کیا جائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر ڈالا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید ابتداءً لکھے ہوئے رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیا گیا تھا، بلکہ دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں حسب موقع وضرورت ایک تقریر نبی ﷺ پر نازل کی جاتی تھی اور آپ ﷺ

اسے خطبے کی شکل میں لوگوں کو سناتے تھے"۔[19]

اس کے بعد مولاناؒ نے دونوں طرح کی زبانوں میں چار طرح سے فرق کو بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

"تقریر کی زبان اور تحریر کی زبان میں فطرۃً بہت بڑا فرق ہوتا ہے، مثلاً:

۱۔ تحریر میں ایک شبہ کو بیان کر کے اسے رفع کیا جاتا ہے۔ مگر تقریر میں شبہ کرنے والے خود سامنے موجود ہوتے ہیں۔ اس لیے بسا اوقات یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی کہ "لوگ ایسا کہتے ہیں" بلکہ مقرر آمدِ سخن ہی میں ایک فقرہ ایسا کہہ جاتا ہے جو ان کے شبہ کا جواب ہوتا ہے۔

۲۔ تحریر میں سلسلۂ کلام سے الگ مگر اس سے قریبی تعلق رکھنے والی کوئی بات کہنی ہو تو اس کو جملۂ معترضہ کے طور پر کسی نہ کسی طرف عبارت سے جدا کر کے لکھا جاتا ہے تاکہ ربط کلام ٹوٹنے نہ پائے۔ لیکن تقریر میں صرف لہجہ اور طرزِ خطاب بدل کر ایک مقرر بڑے بڑے جملہائے معترضہ بولتا چلا جاتا ہے اور کوئی بے ربطی محسوس نہیں ہوتی۔

۳۔ تحریر میں بیان کا تعلق ماحول سے جوڑنے کے لیے الفاظ سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن تقریر میں ماحول خود ہی بیان سے اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے اور ماحول کی طرف اشارہ کیے بغیر جو باتیں کہی جاتی ہیں، ان کے درمیان کوئی خلا محسوس نہیں ہوتا۔[20]

۴۔ تقریر میں متکلم اور مخاطب بار بار بدلتے ہیں۔ مقرر اپنے زور کلام میں موقع و محل کے لحاظ سے کبھی واحد کا صیغہ بولتا ہے، کبھی جمع کے صیغے استعمال کرنے لگتا ہے، کبھی متکلم وہ خود ہوتا ہے، کبھی کسی گروہ کی طرف بولتا ہے، کبھی کسی بالائی طاقت کی نمائندگی کرنے لگتا ہے، اور کبھی وہ بالائی طاقت خود اس کی زبان سے بولنے لگتی ہے۔ تقریر میں یہ چیز ایک حسن پیدا کرتی ہے، مگر تحریر میں یہی چیز بے جوڑ ہو جاتی ہے۔ ان وجوہات کو بیان کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں:[21]

"یہی وجوہ ہیں کہ جب کسی تقریر کو تحریر کی شکل میں لایا جاتا ہے تو اس کو پڑھتے وقت آدمی لازماً ایک طرح کی بے ربطی محسوس کرتا ہے اور یہ احساس اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے جتنا اصل تقریر کے حالات اور ماحول سے آدمی دور ہو جاتا ہے۔ خود قرآن عربی میں بھی ناواقف لوگ جس بے ربطی کی شکایت کرتے ہیں، اس کی اصلیت یہی ہے ۔ وہاں تو اس کو دور کرنے کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ تفسیری حواشی کے ذریعہ سے ربط کلام کو واضح

کیا جائے، کیونکہ قرآن کی اصل عبارت میں کوئی کمی بیشی کرنا حرام ہے۔ لیکن کسی دوسری زبان میں قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے اگر تقریر کی زبان کو احتیاط کے ساتھ تحریر کی زبان میں تبدیل کر لیا جائے تو بڑی آسانی کے ساتھ بے ربطی دور ہو سکتی ہے۔[22]

۴۔ نظم قرآن کے تصور کو اجاگر کرنا

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ کے اسلوب کا اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اس میں سہل انداز میں نظم قرآن کے تصور کو اجاگر کرنے کا اہتمام کیا ہے، وہ اس طرح کہ ہر سورت کے موضوع اور مرکزی مضمون سے اس سورت اور اس کی ہر آیت کا ربط بیان کر دیا ہے۔ پھر سورتوں کے مضامین میں جو ربط و تعلق ہے اسے بیان کر دیا ہے۔ ان کے اس اہتمام کا اثر یہ ہوا کہ تفہیم القرآن میں اول تا آخر قرآن مجید کے مضامین آپس میں مربوط نظر آتے ہیں، چنانچہ پروفیسر خورشید احمد ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"یہ تفہیم القرآن کا ایک نہایت اہم کارنامہ ہے اور یہ نظم قرآن کی خدمات کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان خدمت ہے۔ مولانا نے اپنی بحث کو اصطلاحات سے بوجھل نہیں کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تفہیم القرآن نظم قرآن کے ایک نئے پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔ اس میں ہر سورت کے مضامین اور آیات کا ربط قرآن کے مقصد اور اس کی دعوت سے تلاش کیا گیا ہے۔ یہ وہ ربط ہے جو دور از کار تاویلات کے بغیر قرآن سے خود بخود متبادر ہو جاتا ہے۔[23]

۵۔ قرآنی اصطلاحات کی تشریح

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اپنے خاص انداز میں قرآن مجید کی اصطلاحات کی تشریح کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ انہوں نے آیات کے سیاق و سباق کو ذہن میں رکھ کر اصطلاحات کے معانی و مطالب کو متعین کیا ہے۔ قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحات (الہ، رب، دین اور عبادت) کی جو تفسیر انہوں نے کی ہے[24]، اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جو اصطلاحات ہیں ان کے استعمال کے متعلق مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

"۔۔۔ قرآن اگرچہ عربی میں نازل ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اپنی ایک مخصوص اصطلاحی زبان بھی رکھتا ہے۔ اس نے بکثرت الفاظ کو ان کے اصل لغوی معنی سے ہٹا کر ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے، اور بہت

سے الفاظ ایسے ہیں جن کو وہ مختلف مواقع پر مختلف مفہومات میں استعمال کرتا ہے۔۔۔، مثلاً: ایک لفظ "کفر" کو لیجئے جو قرآن کی اصطلاح میں اصل عربی لغت اور ہمارے فقہاء و متکلمین کی اصطلاح دونوں سے مختلف معنی رکھتا ہے، اور پھر خود قرآن میں بھی ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ کہیں اس سے مراد مکمل غیر ایمانی حالت ہے۔ کہیں یہ مجرد انکار کے معنی میں آیا ہے۔ کہیں اس سے محض ناشکری اور احسان فراموشی مراد لی گئی ہے۔ کہیں مقتضیات ایمان میں سے کسی کو پورا نہ کرنے پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے، کہیں اعتقادی اقرار مگر عملی انکار یا نافرمانی کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے۔ کہیں ظاہری اطاعت مگر باطنی بے اعتقادی کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مواقع پر اگر ہم ہر جگہ کفر کا ترجمہ کفر ہی کرتے چلے جائیں۔۔۔ تو بلاشبہ ترجمہ اپنی جگہ صحیح ہو گا لیکن ناظرین کہیں مطلب سے محروم رہ جائیں گے، کہیں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں گے، اور کہیں خلجان میں پڑ جائیں گے۔

قرآن و تفسیر کے طالب علم کو یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن حکیم کی اصطلاحات کئی طرح کی ہیں جیسے اخلاقی، مذہبی، دینی، معاشی، عسکری قانونی اور معاشرتی اصطلاحات وغیرہ۔ مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں ہر طرح کی اصطلاح کے صرف اس مفہوم و مطلب کو اجاگر کیا ہے جس کے لیے وہ قرآنی اصطلاح وہاں استعمال ہوئی ہے۔ ان کے اس اہتمام سے قرآن فہمی کا ایک نیا انداز معرض وجود میں آیا ہے۔[25]

۶۔ فقہی احکام کا بیان

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ کا ایک اسلوب یہ ہے کہ انہوں نے اس میں آیات احکام سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کو ان کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔ اگر قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس سلسلہ کے احکام ہوں تو تفسیر میں ان کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ اس طرح تفہیم القرآن میں انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات سے کرنے کی کوشش کی جو کہ تفسیر بالماثور کی پہلی قسم ہے اور "تفسیر القرآن بالقرآن" کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں قرآن مجید کی مجموعی تعلیمات اور قرآن مجید کے بنائے ہوئے نظام اخلاق و تمدن کے مجموعی خاکے کی روشنی میں احکام کی توضیح کرنے اور انسانی زندگی میں ان احکام کے مقام و مرتبے اور قدر و قیمت کو متعین کرنے کا خاص خیال رکھا ہے۔[26] قرآنی آیات یا

احکام کے متعلق انہوں نے تفہیم القرآن میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیری اقوال کو بھی بیان کیا ہے۔[27]

۷۔ فقہی مسائل کے بیان میں اعتدال واجتہاد کا اسلوب

تفہیم القرآن میں فقہی مسائل کو بیان کرنے میں مولانا مودودیؒ نے اعتدال و اجتہاد کے اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ اس میں انہوں نے فقہاء کے اختلاف کو بیان کرنے کے بعد حنفی فقہ کے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے۔ بعض اوقات، خود حنفی ہونے کے باجود حنفی مسلک سے اختلاف بھی کیا ہے۔ فقہی مسائل کے حوالے سے "ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کا مطالعہ تمام تعصبات سے خالی الذہن ہو کر کرنا چاہیے۔ قرآن مجید کی آیات اور ان کے سیاق وسباق سے جو بات عیاں ہوتی ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے" فقہی مسائل میں اجتہاد کا جہاں تک تعلق ہے تو مولانا مودودیؒ "ایک مجتہد کی حیثیت سے تمام دلائل کا جائزہ لیتے ہیں اور انہیں جو قول راجح نظر آتا ہے اسے راجح قرار دیتے ہیں اور جو مرجوح [نظر آتا ہے] اسے وہی حیثیت دیتے ہیں جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ تفہیم القرآن میں اسلامی قانون، قانون بغاوت، قانون شہادت، قانون صلح وجنگ اور بین الاقوامی قانون وغیرہ شامل ہیں۔ قاری جس پہلو پر بھی غور کرے گا اسے مسلکی اعتدال اور اجتہاد کے شاندار نمونے ملیں گے۔

۸۔ روایات کا ناقدانہ جائزہ

سید مودودیؒ نے اپنی تفسیر میں احادیث وآثار کو موقع بہ موقع بیان کیا ہے لیکن کسی بھی جگہ قرآنی حقائق کو نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے احادیث کے قبول ورد میں سلف صالحین ہی کے قواعد وضوابط کو بنیاد بنایا ہے اوران ہی کے قواعد کی روشنی میں احادیث کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ قرآن مجید کی حقانیت سے ٹکرانے والی کسی بھی روایت کو رد کر دیا ہے۔ یہ "مسلک" اصل میں "مسلک تحقیق واحتیاط" ہے نہ کہ "مسلک انکار"۔ مولانا نے صرف ان روایات کو قبول کیا ہے جو قرآن مجید کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں اور روایت کے اصولوں کے مطابق اور عقل صریح کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ تفہیم القرآن میں چونکہ احادیث و آثار کو استعمال میں لایا گیا ہے۔[28] اس لیے اسے تفسیر بالماثور ہی کی صنف میں شمار کیا جاتا ہے لیکن یہ محققانہ تفسیر بالماثور ہے محض روایتی نہیں۔[29]

۹۔ تحقیق و جستجو کا مشاہداتی اسلوب

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن کی تصنیف میں تحقیق و جستجو کے مشاہداتی اسلوب کو اختیار کیا۔ اس کی دلیل ان کا وہ سفر ہے جو انہوں نے ان مقامات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کیا جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد نسیم :

''مولاناؒ نے مشرق وسطیٰ کا دوسرا سفر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء میں اس وقت کیا جب پاکستان میں مارشل لاء لگا ہوا تھا۔ وہ ۳ نومبر ۱۹۵۹ء کو کراچی سے روانہ ہوئے اور ۵ فروری ۱۹۶۰ء کو واپس آ گئے۔ یہ ان کا تحقیقی سفر تھا جس کے دوران میں انہوں نے سعودی عرب، اردن، فلسطین، شام اور مصر کے ان آثار کا مشاہدہ کیا جن کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے۔ مولاناؒ کے اس سفر کی مکمل روداد ان کے رفیق سفر محمد عاصم نے ''ارض القرآن'' کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں قلم بند کی ہے۔

تفہیم القرآن میں جہاں جہاں نقشے ہیں وہ مولاناؒ کے اسی سفر کا نتیجہ ہیں۔ ان نقشوں کو انہوں نے ان مقامات کی توضیح کے لیے استعمال کیا ہے جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ یہ تفہیم القرآن کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیات ہے۔[30]

۱۰۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ

قرآن مجید انسانی تاریخ کی اوّلین الہامی کتاب ہے جس نے ادیان و اقوام پر تعمیری تنقید کی ہے۔ اصول تاریخ اور اصول مطالعہ ادیان کے لیے قرآن حکیم سب سے اہم کتاب ہے۔ قرآن تقابل ادیان کا سب سے پہلا ماخذ ہے۔ تفہیم القرآن میں مودودیؒ نے یہودیت و عیسائیت اور قرآن کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ تقابل ادیان سے متعلقہ مباحث میں انہوں نے مناظرانہ نہیں بلکہ محققانہ اسلوب اپنایا ہے اور تفصیل سے کام لیا ہے۔[31] تقابل ادیان کے طالب علم کے لیے تفہیم القرآن میں اتنا مواد موجود ہے جو اسے کئی ماخذ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہودیوں کی نسل پرستی، عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث، کفارہ اور مصلوبیت مسیح ایسے موضوعات ہیں جن پر محققانہ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اس نوعیت کے مباحث میں مودودیؒ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ''قرآن مجید کو اپنی دلیل کی بنیاد بناتے ہیں۔ پھر دوسرے مذاہب پر، جنہوں نے زیر بحث موضوع کو جس مشکل انداز سے پیش کیا ہے، تنقیدی نظر

ڈالتے ہیں اور دونوں کے فرق کو نمایاں کرتے ہیں۔اپنے موقف کی تائید میں وہ تاریخ، جدید بائیبل اور دوسرے علوم کی تازہ ترین تحقیقات کو سامنے لاتے ہیں۔اس نقطۂ نظر سے تفہیم القرآن میں تقابل ادیان و نظریات کے مطالعہ کی ایک نئی اور مجتہدانہ نہج قائم کی گئی ہے۔[32]

۱۱۔کلامی مسائل کا اہتمام

مسلمانوں کے ہاں عقائد کی توضیح و تشریح کے لیے جو مسائل پیدا ہوئے وہ علم تاریخ میں کلامی مسائل کہلاتے ہیں۔علم الکلام ایک مکمل علم کے طور پر ہماری تاریخ علوم کا حصہ ہے۔معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ ،شیعہ، خوارج، مرجئہ اور سلفیہ سب کلامی مسائل ہی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ کے اسلوب و منہج کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں انہوں نے کلامی مسائل کو بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔اس میں "سید مودودیؒ نے کلامی مسائل میں روایتی معتزلی، اشعری وماتریدی فریم ورک کی بجائے کتاب وسنت کی نصوص پر مبنی توضیحات کا اسلوب اپنایا ہے جو برصغیر کے کلامی پس منظر میں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔توحید، نبوت، آخرت، ملائکہ، قرآن، معجزات، تقدیر، جبر واختیار، علم غیب، اور عوامی مذہب کی رسوم جیسے موضوعات پر دلنشیں انداز میں معتدل و متوازن کلام کیا... ہے۔[33] مناظرانہ جدلیات سے ہٹ کر خالص علمی انداز سے ان مسائل پر اسی طرح بحث کی... ہے کہ اگر تعصب نے اندھا نہ کر دیا ہو تو انسان کو قبول کیے بغیر چارہ نہیں۔کلامی مسائل پر بحث میں انحرافی افکار کی بلیغ تردید اور مؤثر تنقید موجود ہے۔

مختصر یہ کہ تفہیم القرآن نے ایک نئے علم کلام کی بنیاد رکھی ہے۔علم کلام میں پہلے بہت کچھ لکھا گیا، لیکن تفہیم القرآن کی خوبی یہ ہے کہ اس میں علم کلام کی رو سے اصل مطلوب ایمان نہیں بلکہ ایمان اور عمل دونوں ہیں۔

۱۲۔مسئلہ ختم نبوت کا بیان

تفہیم القرآن میں مولانا مودودیؒ کے منہج تصنیف کے پہلوؤں اور خصائص میں سے ایک اہم پہلو اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے خاص اہتمام کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت پر مدلل و مفصل بحث کی ہے۔ان کے اس اہتمام نے تفہیم القرآن کی اہمیت و افادیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔اس اہم مسئلہ کو کھل کر بیان

کرکے انہوں نے ملت اسلامیہ پر ناقابل فراموش احسان کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ذیل میں صرف دو اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ترجمہ: اور اے نبی ﷺ یاد رکھو اس عہد و پیمان کو جو ہم نے سب پیغمبروں سے لیا ہے، تم سے بھی اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم سے بھی۔ سب سے ہم پختہ عہد لے چکے ہیں)۔

سورۃ الأحزاب کی اس آیت نمبر ۷ کے تحت انہوں نے لکھا ہے[34]:

"ایک گروہ اس میثاق سے وہ مراد لیتا ہے جو نبی ﷺ سے پہلے کے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان امتوں سے اس بات کے لیے لیا گیا تھا کہ وہ بعد کے آنے والے نبی پر ایمان لائیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے۔ اس تاویل کی بنیاد پر اس گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بعد بھی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور حضور ﷺ سے بھی یہ میثاق لیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد جو نبی آئے آپ ﷺ کی امت اس پر ایمان لائے گی لیکن آیت کا سیاق و سباق صاف بتا رہا ہے کہ یہ تاویل بالکل غلط ہے جس سلسلہ کلام میں یہ آیت آئی ہے اس میں یہ کہنے کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے بعد بھی انبیاء آئیں گے اور آپ ﷺ کی امت کو ان پر ایمان لانا چاہیے۔ یہ مفہوم اس آیت کا لیا جائے تو یہ آیت یہاں بالکل بے جوڑ اور بے محل ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں! آیت کے الفاظ میں کوئی صراحت ایسی نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ یہاں میثاق سے کون سا میثاق مراد ہے۔[35]

۲۔ آگے جا کر لکھا ہے: "ایک گروہ جس نے اس دور میں نئی نبوت کا فتنہ عظیم کھڑا کیا ہے لفظ خاتم النبیین کے معنی "نبیوں کی مہر" کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ نبی کے بعد جو انبیاء بھی آئیں گے وہ آپ ﷺ کی مہر لگنے سے نبی بنیں گے، یا بالفاظ دیگر جب تک کسی کی نبوت پر آپ ﷺ کی مہر نہ لگے وہ نبی نہ ہو سکے گا۔ لیکن جس سلسلہ کے بیان میں یہ آیت وارد ہوئی اس کے اندر رکھ کر اسے دیکھا جائے تو اس لفظ کا یہ مفہوم لینے کی قطعاً کوئی گنجائش نظر نہیں آتی، بلکہ اگر یہی اس کے معنی ہوں تو یہاں یہ لفظ بے محل ہی نہیں مقصود کلام کے بھی خلاف ہو جاتا ہے۔ آخر اس بات کا کیا تک ہے کہ اوپر سے تو نکاح زینب رضی اللہ عنہا پر

معترضین کے اعتراضات اور ان کے پیدا کئے ہوئے شکوک و شبہات کا جواب دیا جارہا ہو اور یکایک یہ بات کہہ ڈالی جائے کہ محمد ﷺ نبیوں کی مہر ہیں۔ آئندہ جو نبی بھی بنے گا ان کی مہر لگ کر بنے گا۔ اس سیاق و سباق میں یہ بات نہ صرف یہ کہ بالکل بے تکی ہے بلکہ اس سے وہ استدلال الٹا کمزور ہو جاتا ہے جو اوپر سے معترضین کے جواب میں چلا آرہا ہے۔ اس صورت میں تو معترضین کے لیے یہ کہنے کا اچھا موقع تھا کہ آپ یہ کام اس وقت نہ کرتے تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس رسم کو مٹانے کی ایسی ہی کچھ شدید ضرورہے تو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی مہر لگ لگ کر جو انبیاء آتے رہیں گے ان میں سے کوئی اسے مٹادے گا۔ ایک دوسری تاویل اس گروہ نے یہ بھی کی ہے کہ "خاتم النبین" کے معنی "النبیین" کے ہیں یعنی نبوت کا دروزہ تو کھلا ہوا ہے البتہ کمالات نبوت حضور ﷺ پر ختم ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ مفہوم لینے میں بھی وہی قباحت ہے۔ سیاق و سباق سے یہ مفہوم بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتا بلکہ الٹا اس کے خلاف پڑتا۔ کفار و منافقین کہہ سکتے تھے کہ حضرت کم درجے کے سہی بہر حال آپ ﷺ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے۔ پھر کیا ضرور تھا کہ اس رسم کو بھی آپ ہی مٹا کر تشریف لے جاتے۔[36]

تفہیم القرآن کا علمی مقام و مرتبہ معروف علماء کی نظر میں

برصغیر بالخصوص پاکستان میں اردو زبان میں لکھی جانے والی کتب تفسیر میں تفہیم القرآن ایک منفرد نوعیت کی تفسیر ہے۔ اس کے علمی مقام و مرتبہ کو کئی اعتبارات، حیثیات اور زاویوں سے جانا جاسکتا ہے، جیسے اہمیت تفسیر بلحاظ مقام مصنف، بلحاظ مضامین، بلحاظ قومی و بین الاقوامی شہرت و مقبولیت، بلحاظ علمی خدمات (مثلاً: تحقیقی مقالات، مختلف زبانوں میں تراجم)، بلحاظ تعداد اشاعت، بلحاظ جوابات شکوک و شبہات، بلحاظ اسلوب، بلحاظ خصوصیات، بلحاظ درسی و نصابی کتاب وغیرہ وغیرہ۔ مگر اختصار کے پیش نظر یہاں صرف چند معروف علماء کی آراء پیش کی جاتی ہیں جن سے اس کا علمی مقام و مرتبہ عیاں ہوتا ہے:

ا۔ شیخ الحدیث مولانا چراغ (گوجرانوالہ) لکھتے ہیں کہ میں اس سے پوری طرح متفق ہوں کہ تفہیم القران کا تہذیب جدید کے اسلام کے بارے میں پیدا کردہ شکوک و شبہات کو دور کرنے میں بڑا حصہ ہے۔ ان جوانوں کو جنہیں اسلام کے ہمہ گیر نظام سے دلچسپی ہے اور اسے سمجھنا چاہتے ہیں مشورہ دوں گا کہ وہ تفہیم القران کا مطالعہ کریں۔

۲۔ مولانا عبد الودود غور غشتی لکھتے ہیں: تفہیم القرآن نے بطریق احسن ان تمام فتنوں کی جڑ کاٹ دی ہے جو عصر حاضر میں اسلام کے بارے میں پیدا کیے جا رہے تھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ تفہیم القرآن کے مطالعہ سے بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دور حاضر کے مسائل کے صحرا میں کسی پیاسے کو ٹھنڈے پانی کا چشمہ مل گیا ہو۔[37]

۳۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن کہتے ہیں: میں پورے فہم و ایقان سے کہہ سکتا ہوں کہ مولانا مودودیؒ نے یہ تفسیر لکھ کر اسلام کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے اور جدید نسل پر احسان فرمایا ہے۔[38]

۴۔ نعیم صدیقی تحریر کرتے ہیں: مولانا مودودیؒ ایک ایسی تفسیر ہمارے ہاتھوں میں دے گئے ہیں، جس سے ایک عالم دین، وکیل، طالب علم، استاد اور صحافییکساں استفادہ کر سکتا ہے۔[39]

سیاسی خدمات

جماعت اسلامی کا قیام

مودودی نے ترجمان القرآن کے ذریعے ایک اسلامی جماعت کے قیام کی تجویز پیش کی اور اس سلسلے میں ترجمان القرآن میں مضامین بھی شائع کیے۔ جو لوگ اس تجویز سے اتفاق رکھتے تھے وہ 26 اگست 1941ء کو لاہور میں جمع ہوئے اور "جماعت اسلامی" قائم کی گئی۔ جس وقت جماعت اسلامی قائم ہوئی تو اس میں پورے ہندوستان میں سے صرف 75 آدمی شامل ہوئے تھے۔ اس اجتماع میں مودودی کو جماعت کا سربراہ منتخب کیا گیا۔[40]

مسلم لیگ علماء کمیٹی کی رکنیت

قیام پاکستان کی جدوجہد کے دوان مسلم قومیت پر سید مودودی کے مضامین مسلم لیگ کے حلقوں میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتے رہے۔ بعد ازاں مسلم لیگ یوپی نے اسلامی نظام مملکت کا خاکہ تیار کرنے کے لئے علماء کی ایک کمیٹی بنائی تو مولانا مودودی نے اس کی رکنیت قبول کرتے ہوئے اس کام میں پوری دلچسپی لی۔ اس کا مسودہ کمیٹی سے وابستہ ایک معاون تحقیق مولانا محمد اسحاق سندیلوی نے Working Paper تیار کیا تھا۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں مولانا عبد الماجد دریابادی لکھتے ہیں۔ "غالبا 1940ء یا شاید اس سے بھی کچھ قبل جب مسلم لیگ کا طوطی ہندوستان میں بول رہا تھا۔ ارباب لیگ کو خیال پیدا ہوا کہ جس اسلامی حکومت (پاکستان) کے

قیام کا مطالبہ شد و مد سے کیا جارہا ہے خود اس کا نظام نامہ یا قانونِ اساسی بھی تو خالص اسلامی بنانا چاہئے۔ اس غرض سے یوپی کی صوبائی مسلم لیگ نے ایک چھوٹی سی مجلس ایسے ارکان کی مقرر کر دی جو اس کے خیال میں شریعت کے ماہرین تھے کہ یہ مجلس ایسا نظام نامہ مرتب کر کے لیگ کے سامنے پیش کرے۔ اس مجلسِ نظامِ اسلامی کے چار ممبران کے نام یہ تھیں۔

1. مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
2. مولانا سید سلیمان ندویؒ
3. عبدالماجد دریابادیؒ
4. مولانا آزاد سبحانیؒ

بیرونی سفر

1956ء سے 1974ء تک کے عرصے میں آپ نے دنیا کے مختلف حصوں کا سفر کیا۔

اپنے متعدد دوروں کے دوران انہوں

نے قاہرہ، دمشق، عمان، مکہ، مدینہ، جدہ، کویت، رباط، استنبول، لندن، نیویارک، ٹورنٹو کے علاوہ کئی بین الاقوامی مراکز میں لیکچر دیے۔ انہی سالوں میں آپ نے 10 عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ 1959ء اور 1960ء میں قرآن پاک میں مذکور مقامات کی جغرافیائی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کے لیے سعودی عرب، اردن، (بشمول یروشلم) شام اور مصر کا تفصیلی مطالعاتی دورہ کیا۔ انہیں مدینہ یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں مدعو کیا گیا۔ آپ 1962ء سے اس جامعہ کے قیام تک اس کی اکیڈمک کونسل کے رکن تھے۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کی فاؤنڈیشن کمیٹی کے رکن بھی تھے۔ اور اکیڈمی آف ریسرچ آن اسلامک لاء مدینہ کے بھی رکن تھے۔

تفہیم القرآن کے جلدوں کی ترتیب:

تمام جلدوں کی تقسیم اور تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- جلد اول سورۃ الفاتحہ، سے آخر سورۃ الانعام تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

۲- جلد دوم اول سورۃ الاعراف، سے سورۃ بنی اسرائیل تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

۳- جلد سوم اول سورۃ الکہف، سے آخر سورۃ الروم تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

۴- جلد چہارم سورۃ لقمان سے سورۃ احقاف تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

۵- جلد پنجم سورۃ محمد سے سورۃ الطلاق تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

۶- جلد ششم سورۃ التحریم سے سورۃ الناس تک کا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

انتقال

1979ء میں سید مودودی کے گردے اور قلب میں تکلیف ہوئی جس کے علاج کے لیے آپ ریاستہائے متحدہ امریکہ گئے جہاں ان کے صاحبزادے بطور معالج برسر روزگار تھے۔ آپ کے چند آپریشن بھی ہوئے مگر 22 ستمبر 1979ء کو 76 برس کی عمر آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا پہلا جنازہ بفیلو، ریاست نیویارک میں پڑھا گیا اور پھر آپ کا جسدِ خاکی پاکستان لایا گیا اور لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں آپ کا جنازہ قطر یونیورسٹی کے وائس چانسلر، سابق صدر اخوان المسلمون شام علامہ یوسف القرضاوی نے پڑھایا۔[41]

خلاصہ بحث:

اس تحقیقی آرٹیکل سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ کا منہج تفسیر دوسرے تمام مفسرین سے ایک امتیازی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے جس کو مضمون نگار نے اجاگر کیا ہوا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے زیر نظر آرٹیکل کے اشاعت کے بعد علوم اسلامیہ کے تفسیری شعبے میں ایک خوشگوار اضافہ ہو گا۔ جس سے اردو زبان میں کتاب اللہ کے فہم کے لئے ایک اور دروازہ کھول جائے گا۔ نظریاتی طور پر بھی اس تحقیق کا نتیجہ مثبت ہو گا۔ اس لئے کہ ہمارے معاشرے میں مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ کی علمی قدر و منزلت کی پہنچان بھی ممکن ہو سکے گی۔ جو علم و متعلم اور قاری و باعث سب کے لیے فائدہ مند اور تشنگان علم کے لئے حصول فیض کا ذریعہ ہو گی۔ (ان شاء اللہ تعالی)

نتائج:

اس تحقیق کے بعد مضمون نگار اس نتیجے پر پہنچا کہ

1- مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ ایک بڑے مفسر، محدث اور بلند پایہ عالم تھے۔ اس کا اندازہ مختلف فنون میں آپ کے تصانیف سے ہوتا ہے جن کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے

2- آپ کو ایک بڑی تعداد میں احادیث کے علاوہ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے اقوال بھی یاد تھے

3- زیر نظر تحقیقی مضمون سے مولانا سید ابو الاعلی مودودیؒ کا تعارف، جاہ و منزلت اور اس کا تفسیری منہج سامنے آجائے گا

4- تفسیر تفہیم القرآن میں تفسیر القرآن بالقرآن کا غالب عنصر ہے

5- آپ نے روایات کو صرف جمع کیا ہے اس کی جرح و تعدیل وغیرہ نہیں کی

6- آیات کے ذیل میں آپ نے ایک بڑی تعداد میں روایات بیان کی ہیں تاہم کئی آیات میں چند ایک پر اکتفا کیا ہے۔

حواشی

1 الحجر:۹:۱۵

[2] ہمارے پیارے مولانا، نظر زیدی، ص۲۹، المنار بک سینٹر، لاہور ۱۹۸۲ء، ہفت روزہ زندگی لاہور، خصوصی اشاعت، ۲۹ ستمبر تا ۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء، مجیب الرحمن شامی، ص۲۰، مجلہ معاشرتی علوم، کراچی، مدیر ڈاکٹر اسحاق، شمارہ ۱، جلد ۲۔۳، جولائی ۲۰۰۴ء، ص۳۴

[3] سید مودودیؒ، سید اسعد گیلانی، ص۲۶ تا ۶۵۱، مولانا مودودیؒ، محمد یوسف بھٹہ، ص۱۷ تا ۳۶، تفسیر رجحانات کا ارتقاء، طاہر مصطفی، مفسرین عظام، ص۱۹۸، تفصیلی حالات زندگی اور علمی کارناموں کے لیے دیکھئے سید مودودی از سید اسعد گیلانی: ۲۶ ومابعدھا، و مولانا مودودی از محمد یوسف بھٹہ ص۱۷ تا ۳۶، تذکرہ علمائے پنجاب، اختر راہی، ج۱، ص۴۲ تا ۵۰

[4] مجلہ معاشرتی علوم، مدیر ڈاکٹر اسحاق، ص۴۴، شمارہ ۱، جلد ۲۔۳، کراچی، جولائی ۲۰۰۴ء۔

[5] سید مودودیؒ، سید اسعد گیلانی: ۲۴۱ تا ۲۴۵

[6] تفسیر القرآن، ج۱، ص۱۲ (دیباچہ)، نیز دیکھئے: قرآن حکیم کے اردو تراجم، ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین، ص۳۵۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۸۱ء۔

[7] تفہیم القرآن، ج۲، ص۵۷۵ (خاتمہ)

[8] مجلہ آئین، تفہیم القرآن نمبر ص۱۱، (۱۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

[9] تفہیم القرآن، ج ا، ص ۵ (دیباچہ)

[10] ایضاً، ج ا، ص ۵

[11] ایضاً، ج ا، ص ۵

[12] ایضاً، ج ا، ص ۵

[13] ایضا، ج ا، ص ۱۱، ۱۰

[14] ایضاً، ج ا، ص ۷، ۶

[15] لفظی ترجمہ کا اصل فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو قرآن کے ہر ہر لفظ کا مطلب معلوم ہو جاتا ہے اور وہ ہر آیت کے نیچے اس کا ترجمہ پڑھ کر جان لیتا ہے کہ اس آیت میں یہ کچھ فرمادیا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس طریقہ میں کئی پہلو نقص کے بھی ہیں جن کی وجہ سے ایک غیر عربی دان ناظر قرآن مجید سے اچھی مستفید نہیں ہو سکتا (تفہیم القرآن، ج ا، ص ۷)۔ ان پہلوؤں کو حاشیہ نمبر ۶۱ میں وجوہات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

[16] الف۔ پہلے چیز جو ایک لفظی ترجمے کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، زورِ بیان، بلاغتِ زبان، اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے، نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اس کے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے، نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جارہی ہے۔ اس طرح کا کوئی تاثر رونما ہونا تو درکنار، ترجمے کو پڑھتے وقت تو بسا اوقات آدمی یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی ہی وہ کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لیے دنیا بھر کو چیلنج دیا گیا تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظی ترجمے کی چھلنی صرف دوا کے خشک اجزاء ہی کو اپنے اندر سے گزرنے دیتی ہے۔ رہی ادب کی وہ تیز و تند اسپرٹ جو قرآن کی اصل عبارت میں بھری ہوئی ہے، اس کا کوئی حصہ ترجمے میں شامل نہیں ہونے پاتا۔ وہ اس چھلنی کے اوپر ہی سے اڑ جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کی تاثیر میں اس کی پاکیزہ تعلیم اور اس کے عالی قدر مضامین کا جتنا حصہ ہے، اس کے ادب کا حصہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کا دل بھی پگھلا دیتی تھی۔ جس نے بجلی کے کڑکے کی طرح عرب کی ساری زمین ہلا دی تھی۔ جس کی قوت تاثیر کا لوہا اس کے شدید ترین مخالفین تک مانتے تھے اور ڈرتے تھے کہ یہ جادو اثر کلام جو سنے گا وہ بالآخر نقدِ دل ہار بیٹھے گا۔ یہ چیز اگر قرآن میں نہ ہوتی اور وہ اسی طرح کی زبان میں

نازل ہوا ہو تا جیسی اس کے ترجموں میں ہم کو ملتی ہے تو اہل عرب کے دلوں کو گرمانے اور نرمانے میں اسے ہر گز وہ کامیابی نہ حاصل ہو سکتی جو فی الواقع اسے حاصل ہوئی (تفہیم القرآن، ج ا، ص ۷)۔

[17] ب۔ لفظی ترجموں سے طبائع کے پوری طرح متاثر نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترجمے بالعموم بین السطور درج کیے جاتے ہیں، یا نئے طرز کے مطابق صفحے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک طرف کلام اللہ اور دوسری طرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اس غرض کے لیے تو عین مناسب ہے جس کی خاطر آدمی لفظی ترجمہ پڑھتا ہے، کیونکہ اس طرح ہر لفظ اور ہر آیت کے مقابلے میں اس کا ترجمہ ملتا جاتا ہے۔ لیکن اس کا نقصان یہ ہے کہ ایک آدمی جس طرح دوسری کتابوں کو پڑھتا اور ان سے اثر قبول کرتا ہے، اس طرح وہ ترجمہ قرآن کو نہ تو مسلسل پڑھ سکتا ہے اور نہ اس سے اثر قبول کر سکتا ہے، کیونکہ بار بار ایک اجنبی زبان کی عبارت اس کے مطالعہ کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہے۔ انگریزی ترجموں میں اس سے بھی زیادہ بے اثری پیدا کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ بائیبل کے ترجمے کی پیروی میں قرآن کی ہر ایک آیت کا ترجمہ الگ الگ نمبروار درج کیا جاتا ہے۔ آپ کسی بہتر سے بہتر مضمون کو لے کر ذرا اس کے فقرے فقرے کو الگ کر دیجئے اور اوپر نیچے نمبروار لکھ کر اسے پڑھیے۔ آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ مربوط اور مسلسل عبارت سے جو اثر آپ کے ذہن پر پڑتا تھا اس سے آدھا اثر بھی ان جدا جدا فقروں کے پڑھنے سے نہیں پڑتا (ایضاً، ص ۸۔)

[18] ج۔... قرآن مجید کی ہر سورت دراصل ایک تقریر تھی جو دعوتِ اسلامی کے کسی مرحلے میں ایک خاص موقع پر نازل ہوتی تھی۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہوتا تھا۔ کچھ مخصوص حالات اس کا تقاضا کرتے تھے۔ اور کچھ ضرورتیں ہوتی تھیں جنہیں پورا کرنے کے لیے وہ اترتی تھی۔ اپنے اس پس منظر اور اپنی اس شان نزول کے ساتھ قرآن کی ان سورتوں کا تعلق اتنا گہرا ہے کہ اگر اس سے الگ کر کے مجرد الفاظ کا ترجمہ آدمی کے سامنے رکھ دیا جائے تو بہت سی باتوں کو وہ قطعاً نہیں سمجھے گا، اور بعض باتوں کو الٹا سمجھ جائے گا، اور قرآن کو پورا مدعا تو شاید کہیں اس کی گرفت میں آئے گا ہی نہیں۔ قرآن عربی کے معاملے میں اس مشکل کو دور کرنے کے لیے تفسیر سے مدد لینی پڑتی ہے، کیونکہ اصل قرآن میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسری زبان میں ہم اتنی آزادی برت سکتے ہیں کہ قرآن کی ترجمانی کرتے وقت کلام کو کسی نہ کسی حد تک اس کے پس منظر اور اس کے حالات نزول کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں، تاکہ ناظر کے لیے وہ پوری طرح بامعنی ہو سکے (ایضاً، ص ۱۰،۹)۔

[19] ایضاً، ص ۸

[20] ایضاً، ص ۹،۸

[21] ایضاً، ص ۹

[22] ایضاً، ص۸،۹۔

[23] مجلہ آئین، تفہیم القرآن نمبر، محولہ بالا، ص۲۷

[24] ان چاروں اصطلاحات کو الگ سے ایک کتابچہ کی صورت میں چھاپ دیا گیا ہے۔ انگریزی اور عربی کے علاوہ کئی اور زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

[25] تفہیم القرآن، ج۱، ص۱۰، (دیباچہ)۔

[26] دیکھئے: مفسرین عظام اور ان کی تفسیری خصوصیات، محولہ بالا، ص۲۰۷

[27] ایضا، محولہ بالا، ص۲۰۷

[28] مزید تفصیلات اور مثالوں کے لیے دیکھئے: حوالہ سابق، ص۲۴۴۔۲۴۶

[29] تفہیم القرآن، ج۱، ص۱۰، (دیباچہ)۔

[30] اردو میں تفسیری ادب، ڈاکٹر محمد نسیم، ص۲۶۵، عثمانیہ اسلامک ٹرسٹ، کراچی ۱۹۹۴ء

[31] تفصیل کے لیے دیکھئے: مولانا مودودیؒ بحیثیت مفسر، محولہ بالا، ص۲۶۔۲۸

[32] مفسرین عظام اور ان کی تفسیری خصوصیات، محولہ بالا، ص۲۰۸۔۲۰۹

[33] سابق حوالہ، ص۲۷۸

[34] مودودیؒ بحیثیت مفسر، محولہ بالا، ص۲۷۳

[35] تفہیم القرآن، ج۴، ص۷۴۔۷۵

[36] ایضاً، ص۱۳۸

[37] المودودی، از نعیم صدیقی:۲۳۸

[38] مجلہ آئین، تفہیم القرآن نمبر ص۱۱، (۱۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء)

[39] المودودی، از نعیم صدیقی:۲۳۸

[40] المودودی، از نعیم صدیقی:۲۳۵

[41] المودودی، از نعیم صدیقی:۲۳۸